اِقبال اُمید کا شاعر (عہدِ اقبال کے شعرا کے تناظر میں)

Iqbal is A Poet of Hope (In the context of the poets of Iqbal's era)

Muhammad Asghar Sial, Ph.D.
The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalpur
muhammadasghar@iub.edu.pk

Abstract

This study argues that Allama Muhammad Iqbal (1877–1938) stands apart as the "Poet of Hope" within early 20th-century Urdu literature, an era otherwise dominated by themes of despair and pessimism. Through a comparative and analytical methodology, this research contrasts Iqbal's philosophical and poetic output with that of his prominent contemporaries, including Dagh Dehlvi, Seemab Akbarabadi, and Josh Malihabadi. The analysis demonstrates that where his peers often expressed futility and lamentation, Iqbal's work consistently delivered a potent message of hope, selfhood (*Khudi*), and proactive struggle. This research examines key texts such as *Shikwa*, *Jawab-e-Shikwa*, and the poem *Umeed* from *Zarb-e-Kaleem* to deconstruct how Iqbal framed hope as an essential catalyst for individual and societal transformation. He considered hope essential for nation-building and survival. He redefined it not as passive wishing, but as an active force—an "elixir" for crafting destiny and empowering a demoralized community and nation. The paper concludes that Iqbal's unique contribution was his strategic use of poetry to mobilize a psychologically defeated population. By replacing contemporary narratives of decline with a philosophy of aspiration and self-empowerment, he provided the critical ideological foundation for socio-political revival. His work, therefore, transcends its period, establishing a timeless, practical model for resilience and action. This research affirms that Iqbal's enduring relevance lies in his singular ability to weaponize hope against despair.

Keywords: Poet of hope, Allama Iqbal, Iqbal's poetry, social change, Urdu poetry, optimism

کلیدی الفاظ: علامہ اقبال، شاعرِ اُمید، اقبال کی شاعری، سماجی تغیر، اُردو شعرا، مثبت رویہ

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال (۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء) شاعرِ اُمید ہیں۔ انھوں نے اپنے عہد کے شعرا کے مقابلے میں نااُمیدی کی بجائے اُمید کا پیغام دیا۔ عہدِ زوال میں جہاں ہر سطح پر مایوسی چھائی ہوئی تھی انھوں نے مسلمانانِ ہندوستان کو مایوسی سے نکالا۔ اس تحقیقی مقالے میں کلامِ اقبال میں موجود اُمید کے پیغام کو افکارِ اقبال میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کیا اس دور میں مایوسی اور نااُمید کی فضا میں دیگر شعرا کے مقابلے میں علامہ اقبال نے آس و امید کا پیغام دیا ہے؟ قنوطیت کے عہد میں اُن کے ہم عصر شعرا نے کس طرح شاعری میں مایوسی کا اظہار کیا؟ اس کے اثرات قوم پر کیا مرتب ہوئے؟ اقبال نے اس صورتِ حال میں اپنے امید افزا افکار سے کس طرح ایک پس ماندہ اور زوال زدہ قوم کی رہنمائی کی۔ انھیں عمل پر اکسایا۔ اُن کی شاعری اُمید، خودی اور عمل کا مرقع ہے۔ اُن کی شاعری آفاقی ہے اور اُن کا پیغام پوری انسانیت کے لیے درسِ اُمید ہے۔ معاشرتی تغیر و تبدل میں اُمید کی اہمیت مسلم ہے۔ ایسے میں انفرادی و اجتماعی سطح پر کلامِ اقبال نے کس طرح اُمید کی بدولت قوم کو جدوجہد کے لیے تیار کیا؟ انھوں نے قومی ترقی و بقا کے لیے اُمید کو نہایت اہم قرار دیا ہے۔ انھوں نے نوجوانوں کو مایوسی سے نکال کر کہا "اُمیدِ مردِ مومن ہے خدا کے

رازدانوں میں"۔عام طور پر زمانے کا شکوہ کیا جاتا ہے لیکن اقبال نے اپنی ذات کو مضبوط کرنے اور مایوسی و قنوطیت سے اجتناب کا درس دیا کہ "خودی میں ڈُوب، زمانے سے نااُمید نہ ہو"۔امید ایک ایسی طاقت ہے جو فرد و قوم کے عزائم کو جِلا بخشتی اور جرأت میں اضافے کا باعث ہے۔انسان کی بقاو استحکام کے لیے انھوں نے اُمیدِ کامل کو لازم قرار دیا۔ تقدیر خود بنانے اور جدوجہد کی طرف مائل کرنے کے لیے اُمید کو اکسیر کے طور پر پیش کیا۔ اُن کے مجموعہ کلام "ضربِ کلیم" میں ایک نظم "اُمید" کے عنوان سے موجود ہے۔اس مقالے میں تقابلی و تجزیاتی طریقہ کار کو بروئے کار لاتے ہوئے دیگر شعرائے معاصرین کے تقابل کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے کہ اقبال شاعرِ امید ہیں۔اسی لیے اُن کی شاعری آج بھی اُمید کا قابلِ عمل نمونہ ہے۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی شاعری اور تصورات پر اردو ادب میں سب سے زیادہ کام ہوا ہے اور ابھی تک جاری ہے۔آئے روز محققین اُن کے خطوط، مضامین، خطبات اور شاعری سے نئی جہات متعارف کراتے رہتے ہیں۔ "علم الاقتصاد" سے لے کر "ارمغانِ حجاز" سے اقبال کی تخلیقات مسائل کے حل کی اُمید کا پیغام ہیں۔انھوں نے جس دور میں ادب تخلیق کیا بر عظیم پاک و ہند سیاسی کشمکش اور مسائل کی آماجگاہ تھی۔ادب عموماً عہدِ زوال میں بہترین تخلیق کیا جاتا ہے۔ایسے میں کئی شعرا اور ادیبوں نے شاہکار تخلیق کیے۔علامہ اقبال نے اُن کے مقابل مقاصدِ خاص کے تحت شاعری کی۔ ہندوستان کے عوام عموماً اور مسلمان خصوصاً نامساعد حالات سے دوچار تھے۔ایسے میں ہر طرف مایوسی و قنوطیت کا دور دورہ تھا۔ اکثر شاعروں نے بے بسی اور لاچارگی کا ذکر کیا۔چند شعرا ایسے تھے جنھوں نے اُمید اور رجا کا پیغام دیا۔اُن میں علامہ اقبال ایک پُر اُمید شاعر کے طور پر نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ادبِ عالیہ، خدمتِ انسانیت کا جو فریضہ انجام دیتا ہے اُن میں تخلیقاتِ اقبال لائق تحسین ہیں۔اُن کے معاصر شعرا نے اُن سے اثرات قبول کیے اور انھی کے رنگ میں شاعری تخلیق کرنے کی کوشش کی۔اُن پر کیے جانے والے اعتراضات کہ وہ ایک فسطائی شاعر ہیں، کے رد میں اُمید، حرکت و عمل کے تصورات غالب نظر آتے ہیں۔ چند شعرا جن میں داغ دہلوی، سیمات اکبر آبادی، مولانا ظفر علی خاں، افسر میرٹھی، جوش ملیح آبادی، اور حفیظ جالندھری نمایاں ہیں، نے اپنے عہد کی نمائندگی کی ہے۔اُن کے کلام سے تقابل کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال آرزوئے عمل میں نمایاں ترین حیثیت کے حامل شاعر ہیں۔

طریقِ تحقیق

مختلف ادبی تخلیقات کا جائزہ لینے کے لیے تقابلی طریقہ کار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ادبی فن پاروں کو جانچنے کے لیے دو تخلیقات کا باریک بینی سے مطالعہ کیا جاتا ہے تاکہ اُن کے تاثر، تاریخی اہمیت، جمالیاتی حیثیت، قدر و قیمت اور معیار کا تعین کیا جاسکے۔اس تحقیقی مضمون میں تقابل و تجزیے کے ذریعے علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کو شاعرِ اُمید کے طور پر پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

مقاصدِ تحقیق

۱. اردو شاعری کی روایت کا عہدِ اقبال میں جائزہ لینا
۲. علامہ اقبال کی شعری تخلیقات کا بہ طور شاعرِ اُمید جائزہ لینا
۳. کلامِ اقبال کا دیگر ہم عصر شعرا سے تقابل کرنا
۴. ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے کلام کا اُمید و اصلاح کے تناظر میں مقام و مرتبہ متعین کرنا

تحقیقی سوالات

۱. اردو شاعری میں اُمید کی اہمیت کیا ہے؟
۲. علامہ اقبال نے اپنے عہد میں کس طرح شاعری کے ذریعے اُمید کا پیغام دیا؟
۳. دیگر اردو شعرا نے کس طرح اپنے عہد کو قنوطیت و آس کے طور پر پیش کیا؟
۴. کلامِ اقبال اور معاصرینِ اقبال میں اُمید و قنوطیت کے حوالے سے نمایاں فرق کیا ہے؟
۵. علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کس طرح شاعرِ اُمید ہیں اور اُن کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟

عظیم شاعری اُمید و یقین کا مرقع ہوتی ہے۔ عہدِ زوال میں حالات و واقعات سے اُمید کی کرنیں پھوٹتی ہیں تو خلاق اذہان تاریکیوں میں انھیں شعاعوں سے اُجالے کا کام لیتے ہیں۔ اُمید ایک ایسا نسخہ کیمیا ہے کہ جس سے اقوام و ملل میں جوشِ عمل پروان چڑھتا ہے اور زوال و مایوسی کی تصویر میں اُمید ورجا کے رنگ نئے معانی و مطالب کا جہان آباد کر دیتے ہیں۔ قوم نئے مفاہیم کی راہنمائی میں ترقی کی راہیں تلاش کرتی ہے۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال برعظیم پاک و ہند کے کثیر الجہات شاعر ہیں۔ انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کو حالتِ یاس سے نکال کر آس و اُمید سے توانا کیا۔ شاعری کو انھوں نے ترسیلِ مقاصد کا ایسا اسلوب بنایا کہ قوم بیدار ہوئی اور حیاتِ نو سے لبریز مستقبل کی تعمیر میں محو ہو گئی۔ اس کا اظہار انھوں نے بارہا کیا۔ ملاحظہ کیجیے:

> "میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا۔۔۔۔ فنِ شاعری سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی، ہاں! بعض مقاصدِ خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے حالات و روایات کی رُو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے ورنہ
>
> نَبینی خَیر اَز آں مردِ فرو دَست
> کہ بَر مَن تُہمتِ شعر و سُخن بَست (۱)"

منظوماتِ اقبال میں مظاہرِ فطرت سے اُمید و زیست کا پیغام کشید کیا گیا ہے۔ "شکوہ" نظم کو ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے زیاں کاری اور خاموشی کے بجائے اپنی آواز حق تک پہنچانے کی جو سعی کی ہے اُن کے قلب میں اُمید کی کرن کا اظہار یہ بھی ہے:

کیوں زیاں کار بنوں، سُود فراموش رہوں
فکرِ فردا نہ کروں محوِ غمِ دوش رہوں
نالے بُلبل کے سُنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہم نَوا میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں (۲)

"جوابِ شکوہ" کا پہلا شعر ملاحظہ کیا جائے تو علم ہوتا ہے کہ دل سے جو مایوسی سے ہٹ کر بات نکلتی ہے اس میں بڑا گہرا اثر ہوتا ہے:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے(۳)

"ذوق وشوق" ایسی نظم ہے جس میں علامہ اقبال نے واضح طور پر لکھا ہے کہ اُن کے دم سے اُمید وآرزو نشوونما پا رہی ہے:

بادِ صبا کی موج سے نشوونَمائے خار و خس
میرے نَفس کی موج سے نشوونَمائے آرزو(٤)|

"مسجدِ قُرطبہ" میں علامہ اقبال نے ناامیدی سے بچنے اور مقاصد عظیم پیشِ نظر رکھنے کی بات کی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

اس کی اُمیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نِگہ دل نواز(٥)

"ساقی نامہ" ایک ایسی نظم ہے جو اقبال کے تصورات کا ملخص ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے:

اُمنگیں مری، آرزوئیں مری
اُمیدیں مری، جُستجوئیں مری(٦)

اسے آگے اقبال نے انھیں متاع فقیر قرار دیا ہے۔

"اُمید" دس مصرعوں پر مشتمل نظم ہے جس میں علامہ اقبال نے آخری شعر میں افسردہ نہ ہونے کی تلقین کی ہے:

غمیں نہ ہو کہ بہت دَور ہیں ابھی باقی
نئے ستاروں سے خالی نہیں سپہرِ کبود(٧)

"ہمالہ" اور "ساقی نامہ" ایسی نظمیں ہیں جو مناظرِ فطرت کے ذریعے حیاتِ نو کا پیغام پیش کرتی ہیں۔ "جوئے کوہستاں" کے بیاں کو زندگی کا پیغام قرار دیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

ذرا دیکھ اے ساقیٔ لالہ فام!
سُناتی ہے یہ زندگی کا پیام(٨)

علامہ اقبال نے اس اعتراض پر کہ اسلام اور خودی کی تکمیل وارتقا میں کیا ربط ہے کے جواب میں استدلالی وعالمانہ وضاحت کی ہے: ملاحظہ کیجیے:

"دینِ اسلام جوہر مسلمان کے عقیدہ کی رو سے ہر شئے پر مقدم ہے نفسِ انسانی اور اس کی مرکزی قوتوں کو فنا نہیں کرتا بلکہ اِن کے لیے حدود متعین کرتا ہے۔ اِن حدود کے معین کرنے کا نام اصطلاحِ اسلام میں شریعت یا قانونِ الٰہی ہے۔ خودی خواہ مسولینی کی ہو خواہ ہٹلر کی قانون الٰہی کی پابند ہو جائے تو مسلمان ہو جاتی ہے۔"(٩)

فسطائیت اور تحکم آمیز حکومتی نظام کو علامہ اقبال نے نامناسب قرار دیا ہے۔ اُمید اقوام وملل میں امن واستحکام اور توازن کو فروغ دیتی ہے۔ اُمید اور مثبت سوچ کے برعکس قیادت تباہی کا باعث بنتی ہے۔ انھوں نے دلیل پیش کی کہ مسولینی (١٨٨٣ء-١٩٤٥ء) نے زمیں کے حصول کی ہوس کے تحت حبشہ کو تباہ وبرباد کر دیا۔ اس کے برعکس مسلم فاتحین نے اپنے زمانۂ عروج میں انھیں آزادی عطا کی۔

علامہ اقبال امید کے شاعر ہیں بعض حضرات انھیں دورِ ارتقا میں جنگ کا حامی قرار دیتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اس خیال کی تردید کے ساتھ ساتھ جہاد و جنگ کے بنیادی فرق کی وضاحت بھی کی ہے۔ علامہ اقبال کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

''میں جنگ کا حامی نہیں ہوں نہ کوئی مسلمان شریعت کے حدود معینہ کے ہوتے ہوئے اس کا حامی ہو سکتا ہے۔ قرآنِ کریم کی تعلیم کی رو سے یہاں جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں۔ محافظانہ اور مصلحانہ۔ پہلی صورت میں یعنی اس صورت میں جب کہ مسلمانوں پر ظلم کیا جائے اور اُن کو گھروں سے نکالا جائے۔ مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت ہے۔"(۱۰)

علامہ اقبال امن عالم کے تمنائی تھے۔ انھوں نے بین الاقوامی امن کے لیے اقوام کی اجتماعی خودی کو تابع قانونِ الٰہی کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ انھوں واضح کیا کہ محض جوع الارض اور بہ زورِ تلوار اشاعتِ اسلام کے لیے جنگ حرام ہے۔(۱۱) سب سے زیادہ اعتراض کلامِ اقبال میں مذکور "شاہیں" پر کیا جاتا ہے۔ یہ پرندہ جنگ جو اور شکاری ہے۔ علامہ اقبال نے اس کا رَدِ اس طرح کیا ہے کہ "شاہین" کی تشبیہ محض شاعرانہ نہیں بل کہ اسلامی فقر کے خواص کے تحت ہے۔ انھوں نے اس کی پانچ خصوصیات، خودداری و غیرت، بے نیازی، بلند پروازی، خلوت نشینی اور دُور اندیشی بیان کی ہیں۔ اس کے بعد فسطائیت کا الزام ختم ہو جانا چاہیے۔

علامہ اقبال نے اس کی وضاحت مغربی ناقدین کو بھی کی۔ ڈاکٹر نکلسن (۱۸۶۸ء—۱۹۴۵ء) کے نام خط میں انھوں نے جرمن فلسفی نطشے (۱۸۴۴ء—۱۹۰۰ء) کے سپر مین اور انسانِ کامل کے فرق کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اسے ایک ہی چیز تصور کرنا درست نہیں۔ اُن کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

"میں (اقبال) نے آج سے تقریباً بیس سال قبل انسان کامل کے متصوفانہ عقیدے پر قلم اٹھایا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جب نہ تو نیٹشے کے عقائد کا غلغلہ میرے کانوں تک پہنچا تھا۔ نہ اس کی کتابیں میری نظروں سے گذری تھیں مضمون "انڈین کیوری" میں شائع ہوا۔ جب ۱۹۰۸ء میں میں نے ایرانی الٰہیات پر ایک کتاب لکھی تو اس کتاب میں اس کو شامل کر لیا گیا۔ انگریزوں کو چاہیے کہ میرے خیالات کو سمجھنے کے لیے جرمن مفکر کے بجائے اپنے ایک ہم وطن فلسفی کے افکار کو راہ نما بنائیں۔ میری مراد الیگزنڈر سے ہے جس کے گلاسگو والے خطبات میں میں نے خدا تعالیٰ اور الوہیت کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ پڑھنے کے قابل ہے۔"(۱۲)

اُمید، امن اور عالمگیریت ایک آفاقی فلسفہ ہے۔ اس حیثیت سے علامہ اقبال نے اپنے معترضین پر واضح کیا ہے کہ شاعری اور فلسفہ انسانیت کے لیے عالمگیر ہے۔ لیکن عملی اطلاق کے لیے اس کے اولین مخاطب شعرا و فلاسفہ نہیں ہو سکتے۔ اس کا دائرہ اطلاق ایک ایسے معاشرے تک محدود رکھا جائے گا جو مستقل عقیدہ اور عملی راستہ متعین کر چکا ہو۔ تاہم عملی اطلاق اور وسعت کے لیے ترغیب و اشاعت کا دائرہ وسیع تر کر سکے؛ ایسے میں اُن کے نزدیک اسلام اُن کا مطلوبہ معاشرہ ہے۔ اسلام نے انسانیت کی راہ میں حائل رنگ و نسل کے عقیدے کی تکذیب کی ہے۔ اس طرح سائنس اسلام کے منافی نہیں بل کہ رنگ و نسل کی تفریق خود اسلام اور کائنات کی مخالف ہے۔ قومیت کی اساس اگر عقائد، نسب یا جغرافیہ ہے تو یہ عالمگیر اخوّت کے منافی ہے۔ انھوں نے مسٹر ڈکنسن کی غلط فہمی دُور کی کہ اسلام سفاکی اور ظلم و بربریت کا سبق نہیں دیتا۔ حقیقت میں زمینی بادشاہت صرف مسلمانوں تک مخصوص نہیں بل کہ اس میں وہ تمام افراد شامل ہو سکتے ہیں جو رنگ و نسل اور قومیت کے اصنام سے آزاد ہوں اور ایک دوسرے کی حیثیت کو تسلیم کر سکتے ہوں۔(۱۳)

علامہ اقبال امن واُمید کے ایسے تمنائی تھے کہ انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ بد نصیبی ہے کہ مغربی دنیا اسلامی فلسفۂ تعلیم سے محض ناآشنا ہیں۔ کاش ! انھیں اگر فرصت ملتی تو اسی موضوع پر مبسوط کتاب تحریر کرتے تاکہ مغربی فلاسفہ اس حقیقت سے آشنا ہوں کہ دُنیا کی اقوام کے خیالات کس قدر ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔(۱٤)علامہ اقبال نے اپنے کلام میں بارہا اس کا اظہار کیا ہے۔ "لالہ طور" کا ایک مصرع ملاحظہ کیجیے:

ع من اوّل آدم بے رنگ و بویم(۱۴)

ڈاکٹر عبدالمغنی نے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ خودی کے مقاصد کی ابتدا تمنا، آرزو اور اُمید سے ہوتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عقل بھی اُمید سے خیالات کو عملی جامہ پہناتی ہے۔(۱۵)

عہدِ اقبال کے شعرائے اُردو جن موضوعات پر طبع آزمائی کر رہے تھے وہ ہجر و وصال، درد و غم اور قنوطیت تک محدود تھے۔ ہندوستان میں جس شاعر کا طوطی بولتا تھا اُن میں نواب میرزا خاں داغؔ دہلوی (۱۸۳۱ء-۱۹۰۵ء) سرِ فہرست تھے۔ اُن کی سخن دانی کا شہرہ تھا۔ ایسے میں خود علامہ اقبال نے داغؔ دہلوی سے اصلاح لی۔ ابتدائی کلام پر اُن کی ذات کے اثرات بھی نمایاں رہے۔ انھوں شبِ وصال کی شاعری کی ہے۔ لکھتے ہیں:

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں (۱۶)

علامہ اقبال کے ہم عصر شعرا میں سیماب اکبر آبادی (۱۸۸۲ء—۱۹۵۱ء) کا نام نمایاں ہے۔ انھوں نے "تاروں کا گیت"، "صبحِ صادق"، "بسنت" اور "فطرت کی جوگن" ایسی نظمیں تحریر کی ہیں۔ اُن کے کلام میں قنوطیت پائی جاتی ہے۔ انھوں نے اُمید کے برعکس اپنے کلام میں دکھ، درد، غم اور نہ جانے کیا کیا پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

غم مجھے حسرت مجھے وحشت مجھے سودا مجھے
ایک دل دے کر خدا نے دے دیا کیا کیا مجھے(۱۷)

جوش ملیح آبادی (۱۸۹۸ء—۱۹۸۲ء) نے "کسان"، "شام کا رومان" اور "گریۂ مسرت" ایسی شاعری کی ہے۔ انھوں نے منظر نگاری میں جذبات کے تسلط کو قائم رکھا ہے۔ اگرچہ انھوں نے جذبات و احساسات کو اپنی شاعری میں پرویا ہے۔ اس کے باوجود اُن کے کلام میں اشک و آہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ خلیل الرحمٰن اعظمی (۱۹۲۷ء—۱۹۷۸ء) نے "نئی نظم کا سفر ۱۹۲۵ء کے بعد" میں لکھا ہے کہ جوش ملیح آبادی قدیم نظم کے شاعر ہیں۔ یوں اُن کی نظم علامہ اقبال کے مقابلے میں پس ماندہ ہے۔ اُن کا اندازِ شعر ملاحظہ کیجیے:

جب سے مرنے کی جی میں ٹھانی ہے
کس قدر ہم کو شادمانی ہے(۱۸)

افسر میرٹھی (۱۸۹۵ء—۱۹۷۴ء) دورِ اقبال میں موجود تھے۔ ان کی شاعری "مقاماتِ نور" اور "بزم گہ تصورات" میں دیکھی جاسکتی ہے۔ انھوں اقبال کے زیرِ اثر شاعری کی۔ اُن کے کلام میں آدمیت اور اُمید و مداوائے غم بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

اُٹھ جوش میں آ صورتِ سیلابِ رواں چل
شیروں کی طرح رَن میں بصد شوکت و شاں چل
ہے منتظر تری آمد کا تری سارا جہاں چل
آچل صفتِ برقِ تپاں شعلہ فشاں چل (۱۹)

حفیظ جالندھری (۱۹۰۰ء-۱۹۸۲ء) نے تقلیدِ اقبال میں قومی شاعری کی۔ اُن کی ذات پر شاعرِ مشرق کے اثرات نمایاں تر ہیں۔ اگرچہ قومی ترانہ اُن کی تخلیق ہے لیکن اُن کے کلام میں یاس کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ ایک شعر ملاحظہ کیجیے:

کوئی چارہ نہیں دعا کے سوا
کوئی سنتا نہیں خدا کے سوا(۲۰)

اکبر الٰہ آبادی کو علامہ اقبال اپنا بزرگ تصور کرتے تھے۔ انھوں نے اُن کے نام کئی خطوط لکھے ہیں۔ شعر و ادب پر اُن کی رائے کو اقبال بھی اہمیت دیتے تھے۔ اُن کے ظریفانہ کلام کی پیروی میں اُنھیں ویسی کامیابی نہ مل سکی لیکن اقبال نے انھیں کہا کہ آپ کی ہمارے ادب کو ضرورت ہے۔ اُن کا انداز ملاحظہ کیجیے:

غمِ فراق کا صدمہ اٹھا نہیں سکتا
اب اپنی جان میں اے جاں بچا نہیں سکتا(۲۱)

مولانا ظفر علی خاں (۱۸۷۳ء-۱۹۵۶ء) کی شاعری میں انقلابی رنگ غالب رہا۔ انھوں نے "زمیندار" کے ذریعے آزادی کا پیغام اہلِ ہندوستان کو پہنچایا۔ معاصرِ اقبال ہونے کے ناتے اُن کے کلام اور کلامِ اقبال میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ اُن کے بعض اشعار پر اقبال کا گماں ہوتا ہے۔ کچھ اشعار شرفِ قبولیت کی عوامی سطح کو پہنچ چکے ہیں۔ ایسے میں اُن کے کئی اشعار ضرب المثل کا درجہ اختیار کر چکے ہیں۔ ۲۲۔اپریل ۱۹۲۰ء کو اُن کا لکھا گیا ایک شعر ملاحظہ کیجیے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا (۲۲)

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے اُمید کو بطور قوت پیش کیا ہے۔ نااُمیدی سے زوال شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے انھوں نے قوم کو نااُمیدی و مایوسی سے دور رہنے کی تاکید کی۔ انھوں نے اپنی مایوس قوم کو پُر اُمید اور مضبوط بنایا۔ "ایک نوجوان کے نام" میں لکھتے ہیں:

نہ ہو نومید ، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
اُمیدِ مردِ مومن ہے خُدا کے راز دانوں میں(۲۳)

علامہ اقبال نے "ساقی نامہ" میں جسے "متاعِ فقیر" قرار دیا ہے اُن میں اُمنگیں، آرزوئیں اور اُمیدیں شامل ہیں۔ انھوں نے اسی نظم میں اس طرح اظہار کیا ہے:

مری فطرت آئینۂ روزگار
غزالانِ افکار کا مرغزار
مرا دل، مری رزم گاہِ حیات
گمانوں کے لشکر، یقیں کا ثبات
یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر
اسی سے فقیری میں ہُوں میں امیر(۲۴)

علامہ اقبال نے تعلیمِ خودی کے ساتھ ساتھ اُمید کا پیغام بھی دیا ہے۔ احساسِ ذات کی منزل حاصل کرنے کے بعد عہدِ حاضر سے پُر اُمید ہونا از حد ضروری ہے۔ زمانے کی عطا کردہ تکلیفیں اصل میں کامیاب افراد کے لیے حقیقی کامیابی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔ ایک مقام پر نا اُمیدی سے بچنے کے علاوہ انھوں نے زمانے کی تکالیف اور زخموں کو درپردہ رفو قرار دیا ہے:

خودی میں ڈوب ، زمانے سے نااُمید نہ ہو
کہ اس کا زخم ہے درپردہ اہتمامِ رفو(۲۵)

اُمید انسانی زندگی میں روشن کِرن کی مانند تاریکیوں میں اُجالوں کا کام دیتی ہے۔ علامہ اقبال نے قومی و بین الاقوامی سطح پر اُمید کو تھامنے کا مشورہ دیا ہے۔ انھوں نے مشرق و مغرب کے فلاسفہ سے آگاہی کے بعد اُلجھنے کی بجائے مشرق کی تاریکیوں میں اپنی آواز کو بطور اُمید و چراغ پیش کیا ہے۔ اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے اقبال رقمطراز ہیں:

ع ترے لیے ہے مرا شُعلۂ نوا، قندیل(۲۶)

اُمید کی بدولت ہی علامہ اقبالؒ نے انقلابِ روس میں اشتراکیت کا خیر مقدم کیا تھا۔ ساتھ ہی انھوں نے نفیٔ بادشاہت و کلیسا کے ساتھ انھیں مشورہ دیا کہ آپ اللہ کی وحدانیت کی طرف بھی توجہ دیں۔ اُن کا مشورہ اطلاق پذیر نہ ہونے کی وجہ سے اشتراکیت نے دم توڑ دیا۔ "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" میں اقبال نے اس کا اظہار ۱۹۳۶ء میں ان الفاظ میں کیا ہے:

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ مو(۲۷)

ہر چند علامہ اقبال کے فنی و فکری کمالات کی دنیا قائل ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری اطلاقی حوالے سے خاص اہمیت کی حامل ہے اس میں موجود اُمید اور آس نے اُن کی شاعری کو پیغامِ عمل بنا دیا ہے۔ سہل پسند سے سہل پسند انسان بھی اُن کے پیامِ اُمید سے قوّت و جرأت حاصل کر سکتا ہے۔ غم میں خوشی کی اُمید اور تاریکی میں اُمید کی شعاع سے انسان مستقبل کو سنوار سکتا ہے۔ "بانگِ درا" میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔ "شمع اور شاعر" کا ایک شعر ملاحظہ کیجیے:

شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
ظُلمتِ شب میں نظر آئی کرن اُمید کی(۲۸)

علامہ اقبال کے بارے میں عام رائے یہی ہے کہ وہ بڑے سہل پسند اور بے عمل آدمی تھے۔ اگرچہ حقیقت میں ایسا نہیں تاہم انھوں نے اس کا ذکر اپنی شاعری میں بارہا کیا ہے۔ اسے کسرِ نفسی تصوّر کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ تاریخ ہندوستان میں عیاں اور واضح ہے کہ مسلمانانِ ہند کی تن آسانی کی وجہ سے انھیں اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اس کے باوجود علامہ اقبال نے مایوسی اور نااُمید کے عہد میں انھیں اس قابل بنایا کہ ایک شکست خوردہ قوم اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی۔ انھوں نے اس کا اظہار خود بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

ع یہ اِک مردِ تن آساں تھا، تن آسانوں کے کام آیا(۲۹)

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان میں عہدِ اقبال میں معاصر شعرا نے مایوسی اور قنوطیت کے ساتھ ہجر و وصال کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ علامہ اقبال نے اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہوئے جہاں نئے موضوعات کو اپنے کلام میں پرویا وہاں نااُمیدی و یاس کے دور میں اُمید کا پیغام دیا۔ انھوں نے اُمید کے ذریعے قوم کے مردہ جسم میں نئی روح پھونک دی جس کی بدولت ہندوستان کے مسلمانوں نے جذبہ اُمید کی بدولت نہ صرف آزادی حاصل کی بلکہ اپنے شاندار ماضی کو مستقبل کے لیے بطور سنگِ میل سامنے رکھا۔ معاشی و تہذیبی گراوٹ کے باوجود علامہ اقبال اپنی قوم سے مایوس نہیں تھے۔ انھوں نے بالِ جبریل میں اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

نہیں ہے نااُمید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی(۳۰)

موجودہ حالات میں بھی مستقبل میں بہتری کے لیے علامہ اقبال کا پیغام پوری قوم کے لیے نویدِ بہار ہے۔ انھوں نے قوم پر زور دیا ہے کہ خود کو بطور قوم مضبوط بنانے کے لیے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور پُر اُمید رہیں۔

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے اُمیدِ بہار رکھ(۳۱)

علامہ اقبال کی سیاسی بصیرت بھی رجائیت سے عبارت ہے۔ انھوں نے ہندوستان کے انتہائی تاریک سیاسی دور میں بھی قوم کو اُمید کا پیغام دیا۔ خطبہ الٰہ آباد (۱۹۳۰ء) اس حوالے سے ایک اُمید افزا اور دُور رس دستاویز ہے۔ علامہ اقبال ملتِ اسلامیہ کی تاریخی سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے ہندو سماج میں طبقاتی تقسیم کا جائزہ مستقبل کے تناظر میں لیا۔ ساتھ ہی انھوں نے اپنے تین سالہ قیامِ یورپ کے دوران میں مغربی تہذیب و تمدن کا نہایت قریب سے مطالعہ و مشاہدہ کیا۔ تہذیبوں کی بقا کے لیے جو عوامل درکار ہیں وہ اسلام میں موجود ہیں۔ اس کا ادراک انھیں بخوبی تھا۔ علامہ اقبال صنعتی اور سیاسی ترقی کے باوجود اہلِ مغرب سے مرعوب نہ تھے۔ اُن کے اندر احساسِ اُمید نے انھیں ایسی توانائی عطا کی کہ انھوں نے پسماندہ قوم کی رہنمائی کی۔ قوم کو اصل کی طرف راغب کیا۔ ایم۔ ایس ناز نے اپنی کتاب میں اس کا اظہار یوں کیا ہے:

"وہ (اقبالؒ)، برہمنی سماج اور برہمن کی افتادِ مزاج سے پوری طرح آگاہ تھے۔ اس مطالعہ و مشاہدہ نے اُن میں ایک خاص بصیرت پیدا کر دی تھی۔ ان کے مزاج پر رجائیت کا پہلو غالب تھا۔ وہ مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں ہمیشہ پُر اُمید رہے۔ انہیں اس حقیقت کا بخوبی ادراک ہو چکا تھا۔ کہ دنیا کی تمام تہذیبیں اور تمام فکری نظام تباہ ہو جائیں گے صرف اسلام کا سماجی اور فکری نظام باقی رہ جائے گا۔ اس طرح انہوں نے جو نتائج نکالے اور جو افکار اپنی قوم کو دیئے وہ کسی وقتی ہنگامی جذبے کی پیداوار نہ تھے۔ بلکہ اُن کے پیچھے تاریخ سیاست عمرانیات اور الٰہیات کا وسیع مطالعہ کارفرما تھا۔"(۳۲)

علامہ اقبالؒ نے اُمید کے پیغام کے ساتھ ساتھ مسلسل عمل کے لیے بھی اپنی قوم کو اُکسایا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ حصولِ پاکستان کی اُمید کا سفر محمد بن قاسم (۶۹۵ء–۷۱۵ء) سے شروع ہوتا ہوا محمد علی جناح (۱۸۷۶ء–۱۹۴۸ء) پر اختتام پذیر ہوا۔ تقسیمِ ہندوستان ہی اقبال کی نظر میں مسلمانانِ ہند کے تمام سیاسی، سماجی، معاشرتی اور معاشی مسائل کا حل تھا۔ جسے انھوں نے نہایت جامعیت سے پیش کیا۔ تصورِ پاکستان کی تکمیل کا نقطۂ عروج ۲۳۔مارچ ۱۹۴۰ء کو قراردادِ لاہور کی صورت میں منظرِ عام پر آیا۔ مسلمانانِ ہند اس قدر بیدار ہوئے کہ انھوں نے تکمیل کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔اُمید کا یہ سفر بالآخر قیامِ پاکستان (۱۹۴۷ء) کی صورت میں یقین میں بدل گیا۔اس سیاسی جدوجہد کی بدولت مسلمانانِ ہند نے کامیابی حاصل کی۔ مقاصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ مایوسی کا خاتمہ کیا جائے۔افراد کی صلاحیتوں میں اُمید سے اضافہ اور نااُمیدی سے کمی واقع ہوتی ہے۔ عظیم شاعر کی پہچان ہی یہی ہے کہ وہ ہر حال میں اُمید کی شعاعیں عطا کرتا ہے۔انسان مجبورِ محض نہیں اگر وہ چاہے تو کارزارِ ہستی میں ناممکن کو ممکن میں بدل سکتا ہے۔اس کا اظہار ڈاکٹر یوسف حسین خان نے "روحِ اقبال" میں کیا ہے۔اُن کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

''اگر انسان اپنے ہر عمل میں مجبور محض مانا جائے تو کوئی کسی کے سامنے مسؤل اور ذمّے دار نہ ہو۔اقدارِ حیات بغیر انسانی آزادی کے بے معنی ہیں جن کے بغیر زندگی اپنی ترقی کے اصلی محرّک سے محروم رہے گی۔''(۳۳)

ماحصل

حاصلِ تحریر یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے "خودی" کا جو فلسفہ پیش کیا ہے،اس میں بھی احساسِ ذات کے ساتھ اُمید کی وابستگی پائی جاتی ہے۔ انسان اپنی پہچان کے ذریعے اُمیدِ کامل کی بدولت نئے راستے تلاش کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کا اُردو کلام "ہمالہ" سے "حضرتِ انسان" تک اُمید ورِجا کا پیغام ملتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُمید اور اتحاد کی بدولت اقوام ہمیشہ ترقی کی منازل طے کرتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی قوم کو سیاسی، معاشرتی، معاشی، تہذیبی اور روحانی سطح پر قنوطیت سے نکالا ہے۔اُن کا آفاقی پیغام صرف ہم تک محدود نہیں بلکہ ہر اُس فرد و ملت کے لیے ہے جو بہتری کی تمنائی ہے۔

نتائج

مجموعی طور پر تقابل و تجزیے سے واضح ہوتا ہے کہ ہر عہد کے شعرا اپنی محسوسات اپنی تخلیقات میں پیش کرتے ہیں۔ایسے میں عہدِ اقبال کے شعرا نے عام طور پر مایوسی اور قنوطیت کو شاعری میں پیش کیا ہے۔ دیگر شعرا کے مقابل علامہ اقبال گہرا ادبی شعور رکھتے تھے۔اُن کا مطالعہ و مشاہدہ نہایت وسیع تھا ایسے میں اُن کا کلام جہاں اپنے عہد کی ترجمانی کرتا ہے وہاں بے عمل اور مایوس قوم کو حرکت و عمل پر اُکساتا ہے۔ایسے میں انھوں اُمید کے ذریعے اپنی قوم کو جگایا اور اپنے حالات کو بہتر بنانے میں معاون کردار ادا کیا۔اس طرح ان کی شاعری محرکِ سعی کا باعث ہے۔ تاریخی اعتبار سے بھی اردو شعرا کی روایت کا جائزہ لیا جائے تو علامہ اقبال ایک پُراُمید شاعر کے طور پر منفرد دکھائی دیتے ہیں۔

مزید تحقیق کے لیے موضوعاتی تعین

مستقبل کے شعرا کے لیے اقبال ایک شاہراہِ اُمید ہیں۔اُن کی شاعری اور افکار کے اثرات مابعد شعرا کی شاعری میں بخوبی دیکھے جا سکتے ہیں۔ معاصرین شعرا کے کلام کے ساتھ ساتھ عہدِ حاضر کے ادبا و شعرا پر بھی علامہ اقبال کے ادبی و فکری اثرات قنوطیت و رجائیت کے تناظر میں لیا جا سکتا ہے۔ فیض احمد فیض، ارشد ملتانی، حفیظ جالندھری اور دیگر شعرا کے کلام میں اُن کے عہد کے ماحول اور اُمید و عمل کے حوالے سے تاریخی، تقابلی، ساختیاتی اور لفظیات کے لحاظ سے موضوعات ترتیب دیئے جا سکتے ہیں۔ "اساسیاتِ اقبال" میں ڈاکٹر وحید قریشی نے ایک حصہ اقبال کے شعرا

پر اثرات کے لیے مختص کیا تھا۔ ایسے میں حال ہی میں شعبہ اقبال اسٹڈیز کے ایک اسکالر شفیق الرحمٰن الٰہ آبادی نے ڈاکٹر محمد رفیق الاسلام کی زیرِ نگرانی "اردو شاعری میں فکرِ اقبال کی توسیع: تحقیقی و تنقیدی جائزہ (بحوالہ خصوصی حفیظ جالندھری، اسد ملتانی، ڈاکٹر قاسم جلال)" کے موضوع پر پی ایچ ڈی سطح کا کام مکمل کیا ہے۔ جس سے تحقیق کی نئی جہات وا ہوئی ہیں کہ نئے محققین اپنے علاقائی شعرا میں اقبال کے فکری و شعری اثرات کا کھوج لگا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اُمید و آرزو پر مبنی شاعری دورِ حاضر میں نافع ثابت ہو گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس نوعیت کی تحقیق کی جائے جس سے مایوسی کا خاتمہ ہو اور حوصلہ مندی کو فروغ ملے۔ ایسے میں علامہ اقبال کے کلام میں ایسے اشعار کی تعداد کثرت میں ہے کہ کھوج لگایا جائے اور اسے عام استفادے کے لیے پیش کیا جائے۔ عمل اور اُمید ایسے کلمات ہیں جو ناکامی کو کامیابی اور مایوسی کو امکانات میں بدل دیتے ہیں۔ فرزندِ اقبال (جاوید اقبال) نے بھی ایک مضمون اس حوالے سے اقبالیات کے شمارے کے لیے تحریر کیا تھا۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ تحقیقی موضوعات کو وسعت دے کر مزید تحقیق کیا جائے۔ اس لحاظ سے مذکورہ موضوع میں وسعت و اضافے کی گنجائش موجود ہے۔

حوالہ جات و حواشی

۱. علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، (لاہور: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۹ء)، ص ۶
۲. علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۸ء)، ص ۱۹۰
۳. ایضاً، ص ۲۲۷
۴. ایضاً، ص ۴۳۸
۵. ایضاً، ص ۴۲۱
۶. ایضاً، ص ۴۰۶
۷. ایضاً، ص ۶۲۲
۸. علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۸ء)، ص ۴۵۰
۹. رئیس احمد جعفری، اقبال اور سیاستِ ملی، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان ۱۱۲۔ میکلوڈ روڈ، اشاعت دوم، ۱۹۸۱ء)، ص ۶۸
۱۰. ایضاً، ص ۶۹
۱۱. ایضاً، ص ۷۰
۱۲. ایضاً، ص ۷۳
۱۳. ایضاً، ص ۸۰ تا ۸۲
۱۴. علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز، س۔ن)، ص ۲۴۸
۱۵. رئیس احمد جعفری، اقبال اور سیاستِ ملی، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان ۱۱۲۔ میکلوڈ روڈ، اشاعت دوم، ۱۹۸۱ء)، ص ۸۵
۱۶. ڈاکٹر عبدالمغنی، اقبال کا نظریۂ خودی۔ اسرارِ خودی کی روشنی میں، مشمولہ اقبالیات، جلد ۵۶، شمارہ ۱/۳، جنوری/جولائی ۲۰۱۵ء، ص ۱۱۶
۱۷. مرزا داغ دہلوی، دیوانِ داغ، (الٰہ آباد: رام نرائن لال پبلشر اینڈ بک سیلر، ۱۹۳۴ء)، ص ۹۷
۱۸. جوش ملیح آبادی، دیوانِ جوش، (لکھنؤ بھارت: اتر پردیش اردو اکادمی قیصر باغ، س۔ن) ص ۵۲
۱۹. افسر میرٹھی، حق کی آواز (نیا گاؤں لکھنو: اُردو لٹریچر کمپنی،، س۔ن) ص ۱۱
۲۰. حفیظ جالندھری، کلیاتِ حفیظ جالندھری (نئی دہلی: فرید بک ڈپو، ۲۰۰۸ء)، ص ۶۶۲
۲۱. اکبر الٰہ آبادی، کلیاتِ اکبر (لاہور: خزینہ علم و ادب،، جولائی ۲۰۱۰ء)، ص ۱۹۶
۲۲. ظفر علی خاں، بہارستان، (لاہور: اُردو اکیڈیمی پنجاب، ۱۹۳۷ء) ص ۲۵۹
۲۳. علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۸ء)، ص ۴۴۷

۲۴. ایضاً، ص۴۵۳
۲۵. ایضاً، ص۶۷۵
۲۶. ایضاً، ص۳۹۱
۲۷. ایضاً، ص۷۰۹
۲۸. ایضاً، ص۲۱۵
۲۹. ایضاً، ص۳۸۶
۳۰. ایضاً، ص۳۵۱
۳۱. ایضاً، ص۲۸۷
۳۲. ایم۔ایس ناز، اقبال اور تحریکِ پاکستان، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز، اشاعت اول، س۔ن)، ص ۱۱۲
۳۳. ڈاکٹر یوسف حسین خاں، روحِ اقبال، (لاہور: وسیب پبلشرز/بک سیلرز، ۲۰۲۰ء)، ص ۴۱۴

مآخذ

۱. افسر میرٹھی، حق کی آواز، نیا گاؤں لکھنو: اُردو لٹریچر کمپنی، س۔ن
۲. اقبال، علامہ ڈاکٹر محمد، کلیاتِ اقبال اردو، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۸ء
۳. اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال فارسی، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز، س۔ن
۴. اکبر الٰہ آبادی، کلیاتِ اکبر، لاہور: خزینہ علم وادب، جولائی ۲۰۱۰ء
۵. جعفری، رئیس احمد، اقبال اور سیاستِ ملی، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان ۱۱۲۔ میکلوڈ روڈ، اشاعت دوم، ۱۹۸۱ء
۶. جوش ملیح آبادی، دیوانِ جوش، لکھنؤ بھارت: اترپردیش اردو اکادمی قیصر باغ، س۔ن
۷. حسرت موہانی، انتخابِ سخن، اترپردیش: اردو اکیڈمی، جلد دوم، ۱۹۸۳ء
۸. حفیظ جالندھری، کلیاتِ حفیظ جالندھری، نئی دہلی: فرید بک ڈپو، ۲۰۰۸ء
۹. داغ دہلوی، مرزا، دیوانِ داغ، الٰہ آباد: رام نرائن لال پبلشر اینڈ بک سیلر، ۱۹۳۴ء
۱۰. ظفر علی خاں، بہارستان، لاہور: اُردو اکیڈیمی پنجاب، ۱۹۳۷ء
۱۱. ناز، ایم۔ایس، اقبال اور تحریکِ پاکستان، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز، اشاعت اول، س۔ن
۱۲. یوسف حسین خاں، ڈاکٹر، روحِ اقبال، لاہور: وسیب پبلشرز/بک سیلرز، ۲۰۲۰ء

رسائل و جرائد

۱. اقبالیات، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، جلد ۵۶، شمارہ ۱/۳، جنوری/جولائی ۲۰۱۵ء